

ہر انگریزی ماہ کی گیارہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

مجلس کرمیہ حزب الانصار بھیرہ و ادارہ عالیہ محمدیہ کاترجمان

خبرہ سالانہ
معارف
عوام
علیہ

مجلس الانصار

بھیرہ (پاکستان)

جلد ۱۹ بھیرہ (مغربی پنجاب) بابت ۱۳۶۶ھ مطابق جنوری ۱۹۴۵ء نمبر ۱

مژدہ جانفزا

طالبان علوم دینیہ کو اس مژدہ جانفزا سے خورسند کیا جاتا ہے۔ کہ اس سال اراکین حزب الانصار نے دارالعلوم عزیزہ میں دورہ حدیث شریف کا انتظام کر دیا ہے۔ اور حضرت مولانا خداجی صاحب سابق شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی اور مولانا محمد حسین صاحب سابق مدرس دہلی نے اپنی خدمات دارالعلوم عزیزہ کے لئے وقف فرما دی ہیں۔ آپ بائیس سال تک مدرسہ امینیہ دہلی میں فنون علاوہ حدیث شریف کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔ آپ کے شاگرد ہندوستان اور پاکستان میں ہزاروں کی تعداد میں مصروف تعلیم ہیں۔ ارباب بصیرت پر بخفی نہیں کہ اٹھارہ سال سے دارالعلوم عزیزہ میں فنون کی کتب پڑھانے کے لئے بہترین اساتذہ کی خدمات حاصل کی جاتی رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے دارالعلوم عزیزہ پنجاب بھر کے مدارس میں غیر معمولی شہرت رکھتا رہا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے دورہ حدیث کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ طالبان علوم دینیہ کو علمی پیاس بجھانے کے لئے جلد پہنچا جا چاہئے۔

بزرگان کرام سے درخواست ہے۔ کہ دعا فرمائیں۔ کہ اللہ کریم پاکستان میں دارالعلوم عزیزہ کو جامعہ ازہر کی حیثیت بخشے۔ آمین بانی الامین۔

ہر اہتمام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر ڈیڑھ منہ سہرہ پریس سرگودھا سے چھپکر بھیرہ (پاکستان) سے شائع ہوا

اطلاعات کارکردگی حزب انصار بھیڑ

دارالعلوم عزیزیہ - میں تعلیم نہایت شان و شوکت سے ہو رہی ہے۔ اور حضرت مولانا خدابخش صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب نہایت محنت سے طلباء کو پڑھا رہے ہیں۔

درجہ حفظ قرآن مجید میں حافظ غلام یسین صاحب کے پاس اس وقت ساٹھ طالب علم مصروف تعلیم ہیں۔
 قادریہ پرائمری سکول - دارالعلوم عزیزیہ میں کثیر تعداد ان طالب علموں کی ہوتی ہے۔ جو کہ پرائمری کی تعلیم سے نابلد ہوتے ہیں۔ ان کو خط و کتابت کا طریق سکھانے کے لئے پرائمری سکول کا اجرا کیا گیا ہے۔ جس میں اس وقت تقریباً ایک سو بیس کے قریب طلباء مصروف تعلیم ہیں۔ جن کو قرآن مجید اور تعلیم اسلامی حسب ضرورت دی جاتی ہے۔

مدرسہ عربیہ ابراہیم میں مدرس کا تقرر ہو چکا ہے۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے سلسلہ تعلیم و تعلم کا شروع ہو چکا ہے۔
 دارالمتعلمین - مولوی امان اللہ صاحب نے مندرجہ ذیل مقامات کا دورہ کیا ہے۔

گوند پور - روشن پور - میلو وال - من دیس - جمان پور - خان محمد والا - چک نمبر ۱۷، جنوبی بھاگٹ نالہ - چک نمبر ۸۰ - چک نمبر ۷۰ - چک نمبر ۶۸ -

رسالہ شمس الاسلام گزشتہ اشاعت میں ہم نے مجبوری کے عنوان سے معذرت پیش کی تھی۔ وہ مجبوری ابھی تک قائم ہے۔ تا حال کاغذ حاصل کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکے۔ کوشش جاری ہے۔

ضروری گزارش

(۱) ام تسر ضلع امرتسر، لدھیانہ، جالندھر ضلع جالندھر، اڈلہ - ہوشیار پور، فیروز پور، مندرجہ بالا مقامات کے خریداران کے نام رسالہ ماہ اگست تک روانہ کیا گیا۔ اب ماہ ستمبر سے ان مقامات کے خریداران کے نام رسالہ بند کروا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کے صحیح حالات معلوم نہیں۔ یہ صاحبان کس حالت میں ہیں اور کس جگہ ہیں۔ ان میں جو صاحب اطمینان سے کسی جگہ مقیم ہیں تو وہ اپنا پتہ تحریر فرما کر رسالہ منگوا سکتے ہیں۔

(۲) جو خریدار مشرقی پنجاب - دہلی اور دوسرے مقامات سے پاکستان کی پناہ گاہ میں تشریف لائے ہیں۔ وہ براہ کرم اولین فرصت میں اپنے نئے پتے سے اطلاع دیں۔ تاکہ ان کی خدمت میں بھی رسالہ روانہ کیا جاسکے۔

رسالہ کے دوبارہ کے التوا کے باعث آمدنی کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ اور ضروری ہے کہ ناظرین کرام کو جب چندہ ختم ہونے کی اطلاع ملے تو دی۔ پی کا انتظار نہ فرمائیں۔ بلکہ فی الفور منی آرڈر کے ذریعہ رقم بھیج دیں۔ "مینجر"

شذرات

مومن کی تین خصلتیں :- آج کی اشاعت میں آپ کے سامنے مومن کی تین خصلتیں پیش کر رہے ہیں جن کا تعلق اپنی ذات سے زیادہ غیروں سے ہے۔ اگر آپ فوراً کریں تو اسلامی تعلیمات کا بیشتر حصہ جو اُغیار سے متعلق ہے۔ اتنا اہم نظر آ جائے گا کہ ہمارے دین و ایمان معلوم ہوگا۔ اور اس پر عمل کرنا اسلام کی تکمیل و تحسین ہوگا۔

مصلح انسانیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤخذ جأراً ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً (رواہ مسلم)

وہیئت -

”جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ تو اسے اپنے پُر دوسی کو تکلیف نہ دینی چاہئے۔ جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ اپنے نہمان کی تعظیم و تکریم کرے۔ اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے“

مسلمان سب سے پہلے اپنی سوسائٹی میں اپنا اخلاق ظاہر کرے۔ اپنی اسلام دوستی کا ثبوت دے۔ اور گرد و پیش کے لوگوں کے دلوں میں اسلام کا سکھ جائے۔ تاکہ تمام محکمہ پکاراٹھے کہ یہ ہے اللہ اور قیامت پر واقعی ایمان رکھنے والا۔ ادویہ ہے اپنے عقیدے پر عمل کرنے والا۔

اس کے بعد آنے جانے والوں کو اپنے اخلاق سے متاثر کر کے اپنی خوش خلقی کا شیدائے بنائے۔ آنے والے مہمان مسلمان کے گھر سے واپس ہو۔ تو اس کے اوصاف و خصائل کا تحفہ لے کر جائے۔ اور دنیا میں اس کے گن گائے۔ دوسروں کو مسلمانوں کے قصے سنا سنا کر اسلام کا شیدائی بنائے۔ اس کے بعد تیسری بنیادی بات یہ ہے کہ مسلمان جس سوسائٹی میں ہو۔ اور جن لوگوں میں ہو اور جن حالات میں ہو۔ صداقت و دانائی کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ جو بات منہ سے نکالے ایسی جچی مٹی ہو۔ کہ اُغیار حرف نہ رکھ سکیں مسلمان کی بات سُن کر اس کے متعلق کوئی بدگمانی کرنے کا موقع نہ ملے اور کوئی یہ نہ کہہ دے کہ مسلمانوں کی باتیں ایسی ہی ہڑا کرتی ہیں۔

اگر بات کہنی ہو۔ تو اچھی کہے۔ ورنہ خاموشی اختیار کرے۔ اپنے پر دوسروں کو نکتہ چینی کرنے کا موقع نہ دے۔ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ایک مسلمان نے آج جھوٹ بول دیا۔ آپس میں غیبت کر کے جنگ کرا دی۔ بڑے خیالات لوگوں میں پھیلا کر امن کی فضا مگر کر دی۔ کیونکہ ایک مسلمان کی بات زید۔ عمر اور دیگر کی بات نہیں ہوتی۔ بلکہ دنیا اسے مسلمان کی بات سمجھتی ہے۔ اور اسی نظر سے اُس کا جائزہ لیتی ہے۔

ایسے ہی ہمسایہ کے حقوق کا خیال رکھو۔ تم کتنوں کو خوش رکھتے ہو۔ اور کتنوں کو رنجیدہ۔ ہماؤں کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ ہے۔ ان کو دیکھ کر تمہارا چہرہ مسرت سے چمک جاتا ہے۔ یا رُوح کا پ جاتی ہے۔ اور جو باتیں اپنے منہ سے نکالتے ہو۔ کتنے وزن اور ناپ تول کے بعد نکالتے ہو۔ اور لوگوں پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔

۵ اراگست سے لے کر آج تک مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر جو مظالم اور مصائب ڈھائے گئے ہیں۔ اس قدر بھیانک اور ہولناک ہیں۔ کہ جن کو سن کر رُوح کا پ جاتی ہے۔ اور نہ وہ صفحہ قرطاس پر لائے جاسکتے ہیں۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں نے یہ مصائب جھیلے۔ اور اپنی آنکھوں سے عذاب خداوندی کو دیکھا۔ اور مغربی پنجاب و دیگر مسلمانوں نے ان کے واقعات کو سنا اور پناہ گزینوں کی حالتوں کو ملاحظہ کیا۔ اور ہر مسلمان نے دلی کھول کر امداد و اعانت کی۔ اور مدبران قوم نے مسلمانوں کی سربلندی کے لئے تجویزیں پیش کیں۔ کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت صرف اُسی صورت میں سدھر سکتی ہے۔ کہ تجارت میں پورا حصہ لیں اور کسی کے نزدیک تمام مشکلات کا حل صرف صنعت و حرفت اور سرمایہ داری کے ختم کرنے میں ہے۔ مگر ہم علی الوجہ البصیرت کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان کی سرفرازی و سربلندی کا راز صرف مسلمان بننے میں ہے۔ قرآن پاک کا اعلان ہے۔ وَاَنْتُمْ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ تمہیں سب سے زیادہ سربلند ہو گے۔ بشرطیکہ سچے مومن ہو۔ یہی وہ آسمانی علاج اور خداوندی تجویز ہے جس کی طرف بار بار علمائے اُمت نے امت کو توجہ دلائی۔ مگر سنی اُن سنی کر دی گئی۔

آج سے صدیوں پہلے حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں آئندہ زمانہ کے حالات بیان فرمائے۔ قیامت تک پیش آنے والے فتن اور مصائب سے آپ نے اپنی اُمت کو آگاہ فرمایا۔ اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔ کہ ایک زمانہ آنے والا ہے۔ کہ اس وقت دین پر قائم رہنے والے کو سوشیڈوں کا ثواب ملے گا۔ مسلم قوم کی مذہبی حالت کو دیکھتے ہوئے کنا پڑ گیا۔ کہ شاید یہ وہ زمانہ آگیا۔ عالم اسباب میں کسی قوم کے فنا ہو جانے کے جس قدر اسباب ہو سکتے ہیں۔ وہ سب آج ہم میں موجود ہیں۔ اور طرہ یہ ہے۔ کہ ہمیں اس کا احساس بھی نہیں۔ اِنَّا لَنُفِدُ وَاِنَّا لَیْہِ رَاجِعُونَ۔ آج جو حالات ہمارے بہت زیادہ افسوسناک ہیں۔ اور عام طور پر مشاہدہ میں آ رہے ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:-

(۱) آج ہم لوگوں میں یعنی اہل السنّت والجماعت میں دین اگر ہے۔ تو ہر چیز سے پیچھے ہے۔ کبھی ہماری یہ حالت تھی۔ کہ مال۔ اولاد اور ان سے بھی زیادہ پیاری چیز جان اور اُس سے بھی زیادہ پیاری چیز عزت و آبرو۔ ان سب چیزوں پر دین مقدم تھا۔ ہر مسلمان ہر وقت دین الہی پر سب چیزیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ کہ کوئی موقع ملے تو میں کوئی قربانی پیش کروں جس خوش نصیب کو یہ موقع مل جاتا تھا۔ وہ خوش ہوتا تھا۔ جس کو نہ ملتا تھا۔ وہ اپنی عمر انتظار میں بسر کرتا تھا۔ تو لہٰذا لے انھم من قضی نحبہ و منھم من یلتنظر۔ آج یہ خفت نصیب دشمنان ہے۔

(۲) آج دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں۔ سب اپنے مذہب کی تبلیغ و شاعت میں سرگرم ہیں۔ اور سب ہمارے ہی افراد کو اپنے

جذب کر کے ہیں مٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن ہیں اس کا احساس بھی نہیں۔ اور اگر احساس بھی ہو تو پروا نہیں۔

(۲) مذہب سے بے خبری اور بے تعلقی اگرچہ عام ہے۔ مگر ہمارا دو تہہ طبقہ تو اس میں ضرب المثل ہے۔

(۳) آج ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر اعتبار باقی نہیں۔ اور کیوں اعتبار ہو۔ جبکہ مشاہدات و تجربات اس کی نفی کرتے ہوں۔

۵۔ ایں قصہ غم بے دراز است

المنصر ہاری حالت آج بد سے بدتر ہو رہی ہے۔ اور اگر کوئی شخص دین خالص پر قائم ہے۔ تو اس پر ہر طرف سے ملامت ہے۔ اس کے لئے ہر طرح کی مصیبت ہے۔ اگر بمقتضائے بشارت صادق مصدق صلی اللہ علیہ وسلم دنیاویوں کی تائید عالم غیب سے ہوتی ہے۔ اور ان کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ مگر دنیا عالم اسباب ہے۔ مسلمانوں کی اس حالت کو مشاہدہ کر کے ان کا شیرازہ اس طرح بکھرا ہوا دیکھ کر جن کے دل میں دین کی محبت ہے۔ ان کا بے چین ہونا لازمی ہے۔

اس وقت ضرورت ہے

کہ جن مسلمانوں کے دل میں دین کا درد ہو۔ وہ جلد سے جلد اٹھیں۔ اور خوب سوچ سمجھ کر اخلاص و تثبیت کے ساتھ مسلمانوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ غیر مسلموں کو مسلم بنانے کا خیال دل سے نکال کر اپنی تمام توجہ مسلمانوں کو دین سے باخبر اور ان کا نظام درست کرنے میں صرف کریں +

اقتباسات

پاکستان ریڈیو والوں کی خدمتیں

خواجہ غلام دستگیر نامی لکھتے ہیں:-

پاکستان ریڈیو پر سب مسلمانوں کا حق ہے۔ اور بالخصوص سواد اعظم کا۔ محرم میں جو دس دن شب و روز مرتبہ اور سوز خوانی ہوتی رہی۔ اس کے متعلق اسلامی اخباروں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ڈائریکٹر صاحب ریڈیو کی توجہ اس مضمون کی طرف دلائی ہے جو میں نے اخبار میں شائع کر مدت علی صاحب سیالکوٹ کی تقریر کی تائید میں لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ ہم ایسا دور اور انصاف چاہتے ہیں۔ جو دور اور انصاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں تھا۔ اس دور اور انصاف سے راعی اور رعایا کو آگاہ کرنے کے لئے ریڈیو پر سیرت حضرت صدیق اکبر۔ فاروق اعظم۔ عثمان غنی و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیان کرنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس مضمون پر ڈائریکٹر صاحب کی خدمت میں اخبار کے کٹنگ کے ساتھ چٹھی بھی لکھی گئی تھی مگر اس کا کوئی عملی جواب نہیں دیا گیا۔ کیا اس کے متعلق ریڈیو پر انتظام کر کے اسلامی سواد اعظم کو شکر یہ کا موقع نہ دیا جائے گا؟

یہ تن کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ ہم حیران ہیں۔ نامی صاحب نے کونسی بیجا درخواست کی تھی۔ جسے ڈاکٹر پاکستان ریڈیو نے قابلِ اعتناء بھی نہ سمجھا۔ اسلامی حکومت کے لئے اسوۂ فاروق مشعلِ راہ ہے۔ اگر اس مشعل کی روشنی نہ پھیلے دیں۔ تو کیا حکمرانی کا سفر طاغوتی تاریکی میں طے ہوگا؟

ریڈیو والوں کو فرقہ پرستی سے بالاتر رہنا چاہئے۔ اب مسلمان ایسے امتیازات برداشت نہیں کر سکتے۔ اکابر اسلام سے پاکستان ریڈیو ہی ڈرنے لگے۔ تو کیا یہ فرض ہندوستانی ریڈیو انجام دیکھا؟
ڈاکٹر صاحب کو اس غلطی کی تلافی کرنی چاہئے۔
(روزنامہ زمیندار لاہور)

طوائف اور قحبہ خانے

یہ اطلاع بے حد اطمینان اور مسرت کے ساتھ سنی جائے گی۔ کہ حکومت مغربی پنجاب نے قحبہ خانوں کے استیصال کا فیصلہ کیا ہے۔ دراصل یہ پاکستان کی معاشرتی اصلاح اور اخلاقی و قومی صحت و تندرستی سدھارنے کے ضمن میں سب سے اہم اقدام ہے۔ اور حکومت مغربی پنجاب کو ہم مبارکباد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ طوائف ہمارے جسمِ معاشرت کا سب سے غلیظ اور بے ہوشنا ہڑانا سور ہے۔ اور قومی ترقی کو داخلی و روحانی اعتبار سے موثر اور بھرپور بنانے کے لئے اس کا استیصال ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ہیں وہ تمام کارروائیاں کرنی چاہئیں۔ جو معاشرت کو اس سے مکمل اور دائمی نجات دلانے کے لئے ضروری ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے۔ کہ نہ صرف قحبہ خانوں کو قانونی طور پر ممنوع قرار دے دیا جائے۔ بلکہ وہ تمام معاشرتی اور معاشی اسباب کا قلع قمع کر دیا جائے۔ جو طوائف کے وجود کو پیدا کرتے ہیں۔ ورنہ جنسی تعلقات ممکن ہے۔ اسی قسم کی کوئی اور غیر معتد اور گھناؤنی شکل اختیار کر لیں۔ اور ہم اپنے قومی اخلاق کی صحت درست کرنے میں ناکام رہیں۔ قحبہ خانے کا مسئلہ دراصل کوئی علیحدہ اور بے تعلق مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ہمارے پورے سماجی نظام سے گہرا رشتہ ہے۔ قحبہ خانے کو دور کرنے کا مسئلہ دراصل اس بنیادی مسئلے کا ایک پہلو ہے۔ کہ آزادی کے قیام کے بعد ہم جس نئے سماج کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں عورت کا کیا درجہ ہے۔ معاشرتی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے۔ کہ طوائف اُس وقت وجود میں آئی۔ جب غریب اور امیر طبقات کے پیدا ہوجانے کے بعد عورت کو بھی معاشی و مالی آزادی سے محروم کر دیا گیا۔

اسے سیاسی و معاشرتی امور و معاملات میں حصہ لینے سے روکا گیا۔ اس کو تعلیم کی پرکٹوں سے دور رکھا گیا۔ اور اس سے اس کے جائز حقوق چھین لئے گئے۔ یونان و روم کی تاریخ میں یہی بتاتی ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں اسلام نے ظہور ہو کر یونان و روم کے اس مزلخ نڈن کے دردِ یار ڈھکا دیے۔ جن میں عورت صدیوں سے محبوس تھی۔ اور عورت کو اس کے تمام جائز۔ معاشی و معاشرتی و سیاسی حقوق عطا کئے۔ لیکن عہدِ خلافت جس کو تاریخ انسانی کا روشن ترین عہد کہنا چاہئے۔ اس کے زوال کے بعد اسلام کے معاشرتی ضربِ العین پھر مہلادے گئے۔ خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندو تہذیبی اثرات کو غیر شعوری طور پر قبول کر کے

مسلمان عورت کو اسلام کے بخشنے ہوئے جائز حقوق سے محروم کر دیا۔

قبضہ خانے کا وجود جس بنیاد پر قائم ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ "جنسیات" ایک تجارتی جنس (Commodity) بن گئی ہے۔ اگر ہم اس بنیاد کو ڈھادیں۔ یعنی تجارت اور جنسیات کو علیحدہ کر دیں تو سوسائٹی کو طوائف سے نجات مل جائے گی اور وہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر عورت کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اس کے جائز حقوق اسے عطا کئے جائیں۔ اور اسلام نے وراثت اور عورت کے مالی اور معاشی حقوق و تحفظ کے جو قاعدے بنائے ہیں۔ ان پر سختی سے عمل کیا جائے۔ عصمت فروشی اور معاشرتی شادی اور خاندان کے ارتقاء و عروج کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ عہد قائم میں آزاد جنسی تعلقات سے ایک ازدواجی () کی طرف جو ترقی ہوئی۔ وہ عورت کی کوششوں سے ہوئی۔ اس لئے کہ جسمانی لحاظ سے آزاد جنسی تعلقات عورت کے لئے سخت اذیت ناک ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ جنس فروش عورت کی اپنی پسند اور فیصلے کا نتیجہ ہے دراصل ہولناک قسم کی جہالت کا ثبوت دینا ہے۔ یہ عورت کی تاریخی فطرت سے نا آگاہی کا نتیجہ ہے۔ دراصل مرد عورت سے کہیں زیادہ جنسی بے راہ روی کا شکار ہے یا ہو سکتا ہے۔ جنس فروش عورت کی معاشی اور معاشرتی بے بسی و لا چاری کا نتیجہ ہے۔ اور عورت پر مرد کے مظالم کا تاریخی ثبوت ہے۔ حکومت کا فرض ہے۔ کہ وہ اس بے بسی اور لا چاری کا خاتمہ کر دے۔ پھر پاکستان سے طوائف کا وجود دائمی ختم ہو جائیگا۔ (نوائے وقت لاہور)

اقبال اور نیشنلزم

(از محترم فیروز الدین صاحب رازی ایم۔ اے پروفیسر کالج سرگودھا)

جس اقبال کے پیشوا مداح اور عقیدت مند موجود ہیں۔ وہاں چند ایک نکتہ چینی بھی ہیں۔ ان نکتہ چینیوں میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس کو اقبال کے کلام میں تضاد نظر آتا ہے۔ اُن کے نزدیک ایک طرف تو اقبال آزادی کے گیت گاتا ہے۔ حکمرانوں کی کمزوریاں گناتا ہے۔ سلطنت کو اقوام غالب کی جاؤ گری سے تعبیر کرتا ہے۔ ہندوستان کی غلامی کا رونا روتا ہے۔ اور دوسری طرف وطنیت اور نیشنلزم (قومیت) کا مخالف ہے۔ گری نظر سے دیکھا جائے۔ تو اقبال کے کلام میں کہیں بھی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ نکتہ چینی لوگوں کی اپنی ہی کوتاہ بینی اور کم نظری کا نتیجہ ہے۔ پیشتر اس کے کہ اس موضوع پر کچھ کہا جائے نیشنلزم کی مختصر سی تاریخ پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

نیشنلزم کی تاریخ۔ بنی نوع انسان کی ابتدائی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا۔ کہ یہ باہمی آویزشوں۔ خانہ جنگیوں اور غوریز یوں کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا آتا ہے۔ اور صدیوں تک انسان۔ خاندان۔ نسب۔ قبیلہ اور مقام و وطن کے جنون میں مبتلا رہا۔ ان مختلف تنگ دائروں کے اندر پھنسکر قتل و غارت کا بازار گرم کرتا رہا ہے۔ دوسری طرف

بنی نوع انسان کی حیثیت اجتماعی کی تشکیل کے لئے ہر عرصہ میں کوششیں ہوتی رہیں۔ لیکن بار آور نہ ہو سکیں۔ عہد وسطے میں فیوڈل سسٹم (Feudal System) یعنی جاگیر دارانہ نظام اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ چنانچہ عرصہ تک فیوڈل سسٹم اور تمدن و تہذیب دست و پا کر رہے۔ بالآخر اس نظام کی اندرونی خرابیاں عوام کی بے اطمینانی اور بد حالی اس کے کفن کا تار و پود بن گئیں اور فیوڈل سسٹم کی جگہ قرون وسطے کے اخیر میں مشنلزم نے لے لی۔ مشنلزم (قومیت) بھی انسان کی اجتماعی زندگی کی تشکیل کا دوسرا نام ہے۔ دنیا جب مختلف گروہوں اور حصوں میں بٹ گئی۔ تو حب وطن کا جذبہ اس قدر پھوٹ پڑا کہ مختلف ممالک اپنے مفاد اغراض اور تحفظ کا خاطر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ تحفظ کے جذبہ کی جگہ تعصب نے لے لی۔ لیکن اغراض پھیلنے پھیلنے جا رہا نہ صورت اختیار کر گئے۔ فرانس اس مشنلزم کی تحریک میں پیش پیش تھا۔ یورپ کے دوسرے ممالک بھی اس تحریک میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ فرانس کی مشنلزم کا عروج جون آف آرک (۱۴۱۲-۱۴۲۹) کے طور کا زمانہ تھا۔ مختصر یہ کہ یہی جذبہ اس حد تک ابھرا کہ قومی عصبيت کے نعرے بلند ہونے لگے۔ چنانچہ قرون وسطے کی تمام جنگیں اسی مشنلزم کے نام پر لڑی گئیں۔ اور کروڑوں جانیں تلف ہوئیں۔

۱۵۳۲ء میں اطالوی مصنف اور سیاستدان میکیا ولی (Machia Velli) نے سیاست اور مذہب میں تفریق پیدا کی۔ ریاست کے مفاد کو مذہب اور اخلاق پر فوقیت اور ترجیح دینے کا پرچار کیا۔ یہ شخص فلازنس کا رہنے والا تھا اور ملکہ حکومت کے مختلف عہدوں پر سر فرازا رہا۔ پرنس (Prince) اس کی مشہور تصنیف ہے۔ میکیا ولی کی تعلیمات کو اس عہد کے خیالات و جذبات کا خلاصہ کہا جاسکتا ہے۔ اس کی تعلیم کا اثر سولہویں، سترہویں صدی، اٹھارہویں بلکہ انیسویں صدی تک رہا۔ قومیت اور وطنیت کے نام پر لاکھوں انسانوں نے جانیں قربان کر دیں۔ کروڑوں بے گناہ ہندوگان خدا کا خون بہایا گیا۔ ان تین چار صدیوں میں مشنلزم کے علمبردار کبھی تو آئیور کرام دیل جیسے مستبد حاکم (Despots) اور کبھی پیٹر اعظم (Peter the Great) فریڈرک اعظم اور نیپولین جیسے حاکم مطلق (Autocratis) رہے۔ کبھی یہی مشنلزم آمریت اور جمہوریت کا لباس پہن کر نمودار ہوتی رہی۔

میشنلزم کے نتائج۔ تاریخ کا ایک عہد بھی اس حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ مشنلزم نے بنی نوع انسان کو کس قدر نقصان پہنچائے۔ ایک ملک نے دوسرے کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی۔ بڑی بڑی طاقتور حکومتوں نے چھوٹی چھوٹی کمزور سلطنتوں کو سمیٹ لینا چاہا۔ باہمی پیکار اور کشمکش کے دروازے کھل گئے۔ چھوٹی موٹی جنگوں کو چھوڑ کر ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم اور دوسری عالمگیر جنگ کے نتائج دیکھ لیجئے۔ انسان کی زندگی اور حشرت و بربریت اپنی انتہا تک پہنچ چکی ہے۔ کروڑوں جانیں تلف ہوئیں۔ بستیوں کی بستیاں راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ لاکھوں گھر نذر آتش ہوئے۔ کروڑوں انسان خانمان برباد ہو گئے۔ لاتعداد پرہیزگاروں اور یتیم بچوں کی زندگیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تلخ ہو کے رہ گئیں۔ تجارت، پیداوار اور صنعت کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ گرائی، غربت و افلاس، ناداری و فلاکت ان سب پر مستزاد۔

اس سال مجلس مرکزی حزب الانصار کا اجلاس ہوا۔ علیہ اللہ سالانہ جلسہ مورخہ ۱۳ اور ۱۴ مئی ۱۹۵۷ء بروز جمعہ ۱۵ مئی ۱۹۵۷ء منعقد ہوا۔ اس موقع پر تاریخی تقریریں لکھیں۔ ناظم حروف الانصار اسحاق علی خان صاحب نے خطاب کیا۔

گویا نیشنلزم کے نام پر اسی ہلاکت و تباہی و بربادی کو دیکھ کر دنیا کے بڑے بڑے سیاستدان، مفکرین اور حکما چونک اٹھے۔ صلح و آشتی اور وحدت انسانی کی صدا میں بلند ہونے لگیں۔ اقبال کا مسلک بھی وحدت انسانی ہے۔ اور ان منتشر افراد و اقوام کو ایک مرکز پر لانا چاہتا ہے۔ خودی کے ذریعے اپنی افراد و اقوام کے اندر ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید و تولید کرنا چاہتا ہے۔ انسانوں میں اخلاق حمیدہ اور صفات پسندیدہ دیکھنے کا شوق ہے۔ اور پھر توحید کے اثر سے ان کو پھرے ہوئے انسانوں کی شیرازہ بندی کرنا چاہتا ہے۔ اقبال کے اس درس کی بنیاد از سر پیا اسلامی تعلیمات پر ہے۔ اسلام کسی قومیت کا حامل نہیں۔ خود اسلامی قومیت ایک ایسا وسیع دائرہ ہے جس میں دنیا بھر کے مسلمان آجاتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل سطور اقبال کے ان ہی خیالات و معذبات کی آئینہ دار ہیں۔

اقبال اور قومیت - جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے۔ اُس کی رو سے اسلام محض انسانوں کی اخلاقی اصلاح کا داعی نہیں۔ بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے۔ جو اس کے قوی اور نسلی نقطہ نگاہ کو کمیر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد عادل ہے کہ قدیم زمانہ میں دین توحی تھا۔ جیسے مصریوں اور یونانیوں کا۔ بعد میں نسلی قرار پایا۔ جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور ذاتی ہے جس سے بد بخت یورپ میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ دین چونکہ ذاتی عقاید کا نام ہے۔ اس واسطے انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف ریاست ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قوی ہے نہ نسلی نہ انفرادی اور نہ ذاتی۔ بلکہ خالصتاً انسانی ہے۔ اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری اقیانامات کے عالم بشریت کو منظم کرنا ہے۔ ایسا دستور العمل قوم اور نسل پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کو ذاتی کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ اس کو صرف معتقدات پر ہی مبنی کیا جاسکتا ہے۔ صرف یہی ایک طریق ہے جس سے عالم انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو ایک امت کی تشکیل اور اس کے بقا کے لئے ضروری ہے۔ کیا خوب کہا ہے مولانا رومی نے "ہم دلی ازم زبانی بہتر است"

اقبال اور وطنیت - میں نظریہ وطنیت کی تردید اس زمانہ سے کر رہا ہوں جبکہ دنیا میں اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتداء ہی میں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی۔ کہ یورپ کی ملکوں کا نہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں۔ کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب ہو گئی۔ کہ "اقوام اطمان سے بنتی ہیں" یہ بات قابل اعتراض نہیں۔ اس لئے کہ قدیم الایام سے اقوام اطمان کی طرف اور اطمان اقوام کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں۔ ہم سب ہندی ہیں۔ اور ہندی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ سب سرگڑ ارض کے اس حصہ میں گرد و باش رکھتے ہیں۔ جو ہند کے نام سے موسوم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چینی، عربی،

جاپانی۔ ایرانی وغیرہ وطن کا لفظ محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے۔ اس حقیقت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا۔ اس کی حدود آج کچھ ہیں۔ اور کل کچھ کل تک اہل براہندوستانی تھے اور آج برمی ہیں۔ ان معنوں میں انسان فطری طور پر اپنے جن بھوم سے محبت رکھتا ہے۔ اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لئے قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے۔ وطن کی محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جس کی پرورش کے لئے اثرات کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر زمانہ حال کے سیاسی لڑپچر میں وطن کا مفہوم محض جغرافیائی نہیں۔ بلکہ وطن ایک اصول ہے۔ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا اور اس اعتبار سے ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔

مفکرین اور حکما کی رائیں۔ قومیت اور وطنیت کی آگ کے شعلوں کو اب ٹھنڈا کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ اس کی ہلاکت کو دیکھ کر دنیا امن اور سکون کی منلاشی ہے۔ ایسا نظام یقیناً زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے تمام بڑے بڑے مفکرین اقبال کے ہم نوا ہیں۔ مسٹر جان۔ ایس۔ ہائی لینڈ ایم۔ اے (کنیڈب) (John S. Hoyland) اپنی کتاب (Brief History of Civilization) میں لکھتے ہیں۔ "تہذیب و تمدن کی بقا کی خاطر نیشنلزم کا دبا دینا از بس ضروری ہے۔ حب الوطنی ہی کافی نہیں بلکہ ہمیں عالمگیر اخوت اور عالمگیر قومیت کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے۔ نیشنلزم کا نتیجہ ہمیشہ باہمی پیکار و مناقشت اور تباہی و بربادی ہوگا۔ انسان ایک دوسرے سے اس طرح مخلوط و مربوط ہیں کہ اگر اس کا کوئی تدارک نہ کیا گیا۔ تو بالآخر ساری دنیا اس نیشنلزم کے شعلوں کی لپٹ میں آکر بھسم ہو جائے گی" (آزاد ترجمہ)

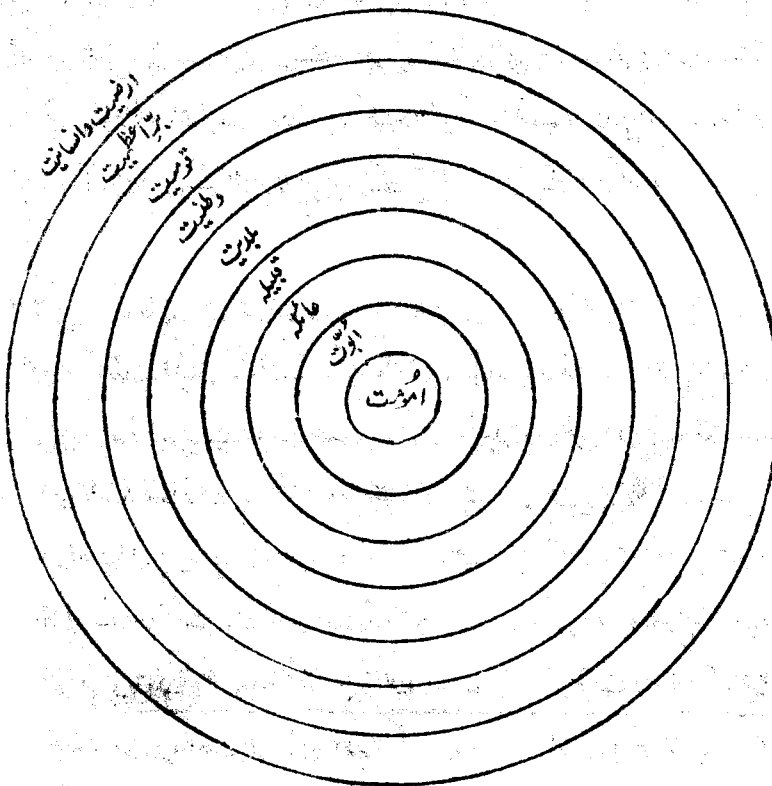
انجی۔ جی۔ ویلز (H. G. Wells) اپنی مشہور کتاب دی نیو ورلڈ آرڈر (The New World Order) "دنیا کا نظام نو" میں رقمطراز ہیں۔ "زمانہ و مکان کی حدود و قیود نے انسانوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ جب تک یہ تنگ نگاہی اور مادی منافے چھوڑے نہیں جاتے انسان کا ایک مرکز پر اکٹھے ہونا محال ہے۔ عالمگیر سوشلزم کے قیام کی اشد ضرورت ہے۔ مذہب۔ نسل۔ رنگ اور وطن کے امتیاد کے بغیر سب انسانوں کے حقوق مساوی ہونے چاہئیں" (آزاد ترجمہ)

پچھلے سال برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر ازسٹ بیون نے اتحادی اقوام کے نمائندوں سے کہا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اپنی زندگی میں دنیا بھر کو ایک ہی حکومت کے ماتحت دیکھ لوں گا۔ سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے۔ کہ ملکی حد بندی فضول نظر آنے لگی ہے۔ اس نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ کہ ہم شعاعوں اور پیغمبروں کے اس نظریہ پر عمل پیرا ہوں۔ جسے انسانی جمہوریت اور اتحاد کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ٹیگور کے نزدیک قومیت کا نظام لغو اور انسانیت کے لئے ایک خطرہ عظیم ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں ہر وقت آن پہنچا ہے کہ ساری زخم خوردہ دنیا کی خاطر یورپ اب محسوس کرے کہ قومیت کا نظام کس قدر لغو اور پیہودہ ہے۔

میرا دوسرے سخن کسی خاص قوم کی طرف نہیں۔ بلکہ میں سرپا قومیت کے نظریہ ہی کا مخالف ہوں۔ نیشنلزم انسانیت کے لئے ایک خطرہ عظیم ہے جو سالہا سال سے ہندوستان کے لئے مصائب کا باعث بنی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر ہر دیال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اپنی مقبول و معروف کتاب (Hints for Self Culture) میں مندرجہ ذیل جذبات کا اظہار کرتے ہیں: "انسانی وحدت کی راہ میں جغرافیائی حد بندی۔ نسل۔ رنگ۔ زبان۔ قومیت اور وطنیت رکاوٹیں ثابت ہوتی ہیں۔ یہی امتیازات ہیں۔ جو آج تک باہمی منافرت۔ اختلاف اور خونریزی و سفاکی کا موجب ہوئے ہیں۔ نیشنلزم انسانیت کے لئے ایک تخریبی قوت ہے۔ اور قوی عصبیت ایک ایسا جنون ہے۔ جس کی وجہ سے انسان اپنی عقل اور ضمیر کو کھو بیٹھتا ہے۔ دیوانے کتوں اور بھیرپوں کی مانند اس سے حرکات سرزد ہوتی ہیں نیشنلزم کے دامن پر جنگ اور خونریزی کے بدنام دھبے ہیں جس کی وجہ سے اُس کا سر ہمیشہ جھکا رہیگا" (مخلصاً) وہ انسانی وحدت کو یوں ہم مرکز دائروں سے سمجھاتے ہیں:-



مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ایک مقالہ "اسلام اور نیشنلزم" میں حیات اجتماعیہ کی ذرا ترقائی کڑیاں لکھتے ہیں۔ امومت۔ ۱۔ اوت۔ ۲۔ عائکہ۔ ۳۔ قبیلہ۔ ۴۔ بلدیہ۔ ۵۔ وطنیت۔ ۶۔ قومیت۔ ۷۔ براعظمت۔ ۸۔ ارضیت۔ ۹۔ انسانیت اور لکھتے ہیں:-

"قومیت اور وطنیت انسان کے اجتماعی رشتہ کی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ لیکن یہ کوئی مستقل حالت نہیں ہے۔ محض ایک اضافی چیز ہے جس طرح ایک زمانہ میں انسان نظر کی

شکل اور علم کی کوتاہی سے صرف امومت اور اوت یا عائکہ و قبیلہ کے رشتہ پر قانع تھا۔ اُسی طرح جب وسعت علاقہ کے ایک دو قدم آگے بڑھے تو قومیت کا دائرہ پیدا ہو گیا۔ بلاشبہ یہ دائرہ پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے لیکن

ظہر کی حقیقی وسعت کے مقابلہ میں تنگ اور ناتمام ہے۔ فطرت اور حقیقت کی اصلی وسعت کیا ہے؟ انسانیت اور انسانیت کا عالمگیر رشتہ ہی انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک ہی فطری رشتہ ہے۔ باقی سب اضافی اور اس لئے غیر حقیقی ہیں۔ انسان کی عالمگیر اخوت کی راہ میں سب سے بڑھ کر چار چیزیں تھیں۔ نسل۔ وطن۔ رنگت اور زبان۔ ان چاروں امتیازات کی بنا پر الگ الگ حلقے بنائے گئے تھے۔ اور انسانیت کا ایک دائرہ بے شمار چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گیا۔ اسلام نے نہ صرف ان چاروں سے انکار کیا بلکہ ان کے خلاف اس درجہ واضح اور قطعی اعلان کر دئے کہ کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

اس قدر تلخ تجربوں کے بعد اگر انسان اب بھی قومیت اور وطنیت کے تنگ دائروں میں پھنسا رہے۔ تو یہ محض اُس کی جہالت ہوگی۔ اگلی ارتقائی منازل کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا کسی طرح بھی بنی نوع انسان کے لئے سودمند نہیں ہو سکتا۔ قدرتی طور پر انسان جن کڑیوں سے گزر چکا ہے۔ اُن سے اُس کو محبت ضرور ہوتی ہے۔ قبیلہ یا خاندان سے لگاؤ کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ ماں یا باپ کی محبت میں کمی ہو گئی۔ اسی طرح انسانیت کے دائرہ میں آنے کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وطن کی کشش اور محبت جاتی رہے۔ بقول اقبال واقعی یہ ایک فطری جذبہ ہے۔ مگر اس کی پرستش بھی تو جائز نہیں۔ اقبال کو وطن سے محبت ضرور ہے۔ مگر وہ وطن کے تعصب سے بیزار ہے۔ اس کی پرستش بت پرستی کے مترادف سمجھتا ہے۔ آئیے اس کے کلام کا تجزیہ کر کے دیکھیں۔ اس کے نزدیک مذہب اور ریاست ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشاہو جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
وطن کا تعصب اقبال کے نزدیک ایک لعنت ہے۔ اور مذہب اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلامی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید پر ہے۔ اور یہ نسب۔ خاندان۔ قبیلہ اور وطن محض حوالہ تعارف کے لئے ہیں۔
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیر بن اس کا ہے وہ مذہب کا گفن ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا ابھی ہے اس سے قومیت اسلام کی جڑ کٹی ہے اس سے
گفت و سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
یہ بُت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے غارت گر کا شانہ دین بنوی ہے
باؤ تو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
در دلش خدا مست نہ خرتی ہے نہ غری گھر میرانہ دلی نہ صفا ہاں نہ سمرقند

آقبال میکیادلی کی تعلیم کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ اس باطل کے پجاری نلورنس کے ہاشندے نے ایسا سیاسی سرمہ تیار کیا۔ جس نے لوگوں کی عقل و ضمیر کی آنکھیں ناکارہ کر دیں۔ شہنشاہوں کے لئے کتاب الملوک اُس نے کیا لکھی۔ گویا رٹائی جھگڑے کا بیج بویا۔ آذر کی مانند اس کا پیشہ بھی بت گری تھا۔ کیونکہ اس کی قوت تخیل نے لوگوں کی بُو جا کے لئے وطن کا ایکہ نیا بُت بنا رکھا۔ اور اسی ریاست و مملکت کے بُت کی پرستش و عبادت جائز قرار دی۔ گویا اپنی قوت فکر کے ذریعہ اُس نے ایک مذموم شے کو اچھا لباس پہنا کر پیش کیا۔

آں فلار نساوی باطل پرست سرمہ اودیدہ مردم شکست
نسخہ بہر شہنشاہان نوشت در گلی ما دانہ پیکار کشت
بُت گری مانند آذر پیشہ اش بست نقش تازه اندیشہ اش
مملکت را دین اود معبود ساخت فکر اود مذموم را محمود ساخت

میکیادلی اور اُس کے ہم خیالوں نے ملت کے جِصار کو وطن کی بنیادوں پر کھڑا کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھائی چارہ اور عالمگیر برادری کا خاتمہ ہو گیا۔ جب سے وطن کو شیع محفل بنایا گیا ہے۔ انسان مختلف قبیلوں اور گروہوں میں بٹ گیا۔ اور آخر اس پھوٹ اور اختلاف کا یہ نتیجہ ہوا کہ انسانیت افسانہ بن کر رہ گئی۔ انسان افسانہ سے بیگانہ ہو گیا۔ یوں سمجھئے کہ جسم سے رُوح تو نکل گئی۔ باقی صرف جسمانی اعضا کے ڈھانچے ہی رہ گئے۔ اور قومیں ہیں کہ انسانیت سے بے بہرہ!

آں چنار قطع اخوت کردہ اند بر وطن تعمیر ملت کردہ اند
تا وطن را شمع محفل ساختند نوع انساں در قبال ساختند
مردمی اندر جہاں افسانہ شد آدمی از آدمی بیگانہ شد
روح از تن رفت و ہفت اندام ماند آدمیت گم شد و اقوام ماند

یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر عہد میں انسان کی قوت فکر کوئی نہ کوئی بُت گھڑ لیتی ہے۔ پھر جب ایک کی بُو جا سے فیض نہیں ملتا۔ تو کسی دوسرے وجود کی تلاش رہتی ہے۔ فکر انسان ہی نے دنیا میں بُت پرستی کی بنیاد رکھی ہے۔ اور ہر زمانہ میں ایک نیا خدا لاکھڑا کیا۔ اس خدا کا نام رنگ۔ نسب یا وطن رکھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ انسان اسی معبود کی خاطر خون بہا کر خوش ہوتا رہا ہے۔ اسی نام مقول اور بد بخت بُت کے قدموں پر انسانیت کو بھیر پکڑیوں کی طرح ذبح کیا گیا ہے۔

فکر انساں بُت پرستے بُت گرے ہر زمانہ در جستجوئے پیکرے
بلا طرح آدمی انداخت است تازہ تر پروردگارے ساخت است

کاید از خون ریختن اندر طرب نام اورنگ است و ہم ملک و نسب
اقبال اور ہندوستان :- مندرجہ بالا اشعار اور اقتباسات سے ظاہر ہے کہ نیشنلزم انسانیت کے لئے ایک
 مصیبت ہے۔ صحتِ انسانی کو بارہ بارہ کر دینے والی چیز ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اقبال کے جذباتِ حبِ وطن
 کے متعلق کیا ہیں۔ وہ وطن دوست ہے۔ مگر وطنی تعصب سے بالا تر۔ ہندوستان کی آزادی کا وہ اتنا ہی طلبکار ہے۔
 جتنا کوئی ہندوستان کا بڑے سے بڑا سیاسی رہنما۔ وہ ہندوستان کو غلام نہیں دیکھ سکتا۔ ہندوستان کی باہمی چوٹی
 اور بے اتفاقی اس کے لئے ایک کانٹا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہندوستان کی غلامی کا باعث زیادہ تر ہندوستانی
 ہی ہیں۔ ان کے اپنے گھر بھگڑے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے وہ انہیں کو نچا طرب کرتا ہے۔ اور آنے والے خطرات
 سے آگاہ کر دیتا ہے۔

رلاتا ہے تیرا نظارہ اے ہندوستان مجھ کو کہ عبرت خیز ہے تیرا فساد سب فسادوں میں
 دیا رونہ مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا لکھا کلبِ ازل نے مجھ کو تیرے فوج خوانوں میں
 وطن کی فکر کرنا واں مصیبت آنے والی ہے تیری بربادیوں کے مشوے میں آسمانوں میں
 نہ سمجھو گے تو بٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں غلامی ہے اسیر امتیازِ ما و تو رہتا
 ہندوستان کی اس بے اتفاقی۔ بھڑوٹ اور اختلاف کا علاج وہ محبت اور آشتی سے کرنا چاہتا ہے۔
 ہندوستان کی نجات اور فلاح اس کو اتحاد اور بریت ہی میں نظر آتی ہے۔

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے کیا ہے اپنے بختِ خفہ کو بیدار قوموں نے

بیابانِ محبت و شربتِ غربت بھی وطن بھی ہے یہ دیرانہ نفس بھی۔ آشیانہ بھی۔ چمن بھی ہے
 محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی جس بھی رکاوٹ بھی۔ راہبر بھی۔ راہزن بھی ہے
 مرہنِ کتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرضِ ایسا چھپا جس میں علاجِ گردشِ چرخِ کُن بھی ہے

شکستی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے دھرتی کے باسیوں کی گنتی پریت میں ہے۔
 ہندوستان کی غلامی کا رونا وہ اس طرح رونا وہ اس طرح روتا ہے
 معلوم کئے ہند کی تقدیر کہ اب تک بیچارہ کسی تاج کا تابندہ نگین ہے

جاں بھی گِر و غیسر بدن بھی گِر و غیسر افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے
یورپ کی غلامی پہ رخصت مسند ہو اُو مجھ کو تو گلا تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے
باقی رہا انگریزوں سے شکوہ اور گلا۔ تو اس کے متعلق لطیف اشارہ سے شاعر مشرق سب کچھ سمجھا گیا ہے۔ شکوہ
و شکایت کی ضرورت نہیں۔ ملامت اور طعن سے فائدہ نہیں۔ سیدھی سی بات ہے۔ کہ جب باز کے پنجہ میں کوئی پرنڈہ
آجائے تو وہ آسانی سے اُسے چھوڑ نہیں سکتا۔ اس لئے باز سے رحم دلی۔ مہربانی۔ رفاہی یا غمگساری کی توقعات
والستہ کر لینا سراسر نادانی ہے۔

ترا ناداں امید غمگساری کا از فرنگ است دل شاہیں نہ سوزد برآں مرغے کہ در چنگ است
اپنے جنم بھوم کی تعریف وہ ان الفاظ سے کرتے ہیں

خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
چشم مہر و پروں ہے اسی خاک سے روشن یہ خاک کہ ہے جس کا خوف ریزہ در ناب
اس خاک سے اُٹھے ہیں وہ خواصِ معانی جن کے لئے ہر کچر پر آشوب ہے پایاب
جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں محفل کا وہی ساز ہے بیگانہ مضرب
بُت خانہ کے دروازے پہ سوتا ہے رہن تقدیر کو روتا ہے مسلمان تیر محراب!

اقبال کی بے باکی کا یہ عالم ہے۔ کہ ہندوستان سے غداری کرنے والوں کو وہ ننگِ آدم۔ ننگِ دیں اور ننگِ
وطن کے نام سے پکارتا ہے۔ مثلاً بنگال کے میر جعفر اور دکن کے صادق کو کون نہیں جانتا۔ میر جعفر وہ ہے جس
نے سراج الدولہ نے غداری کی۔ اور انگریزوں کی مدد کر کے بنگال میں ان کے قدم جما دیے۔ میر صادق سلطان ٹیپو
کا وزیر اعظم تھا۔ انگریزوں نے سرنگاپٹم کا قلعہ جس میں سلطان ٹیپو نے پناہ لی تھی اسی کی مدد سے فتح کیا۔ اور سلطان
ٹیپو مارا گیا۔ جاوید نامہ میں اقبال ملک زحل کی سیر کرتے ہوئے قلمِ خونی تک پہنچتے ہیں۔ اس میں ایک کشتی کے اندر دو
نر و چہرے۔ ننگے جسم اور بد حال انسان ان کو نظر آئے۔ یہ دونوں میر جعفر اور صادق تھے۔

اندران زورق دو مرد زرد گد زرد رو۔ عریاں بدن۔ آشفتمر
جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگِ آدم۔ ننگِ دیں۔ ننگِ وطن

یہ دونوں کشتی کے اندر نالہ و فریاد کرتے ہیں۔ اپنے درد کا رونا روتے ہیں۔ دوزخ اور موت نے بھی ان کو قبول
کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر وہ فضا۔ تیز ہوا۔ دریاے خوں۔ زمین آسمان۔ اجرامِ فلکی۔ اور لوحِ محفوظ سے پناہ دینے
کی درخواست کرتے ہیں۔ جیہ کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ تو اپنے مغربی آقاؤں کو دستگیری کے لئے مخاطب کرتے
ہیں۔ مگر افسوس اس غداری کی سزا پر وہ بھی اُن کی مدد سے عاجز ہے

آے ہوائے تھدائے دریائے خوں آے زمیں! آے آسمان نیلگوں!
 آے نغم! آے آفتاب! آے مانتاب! آے قلم! آے لوح محفوظ! آے کتاب!
 آے مہمان! آے گردانِ عزم آے حسابے درغل بے حرب و طرب
 آے جہاں بے ابتدا بے انتہاست بندہ غدار را مولا کجاست؟
 ان اشعار کو دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اقبال ہندوستان کی آواز کا دشمن تھا۔ ہندوستان کی
 جنگ آزادی کے بڑے بڑے علمبردار اور سیاستدان بھی وہ باتیں نہ کہہ سکے جو اقبال نے بر ملا کہیں +

ایک مسلسل کھلمہ ایک مہاجر قافلہ جدو پاکستان میں (تخیم صدیقی)

دلی سے چلی ہوئی ایک ٹیس کچھ ریفریجیوں کو لئے ہوئے اور ہندوستان کی زمین اور آسمان اور ان کے درختوں
 پاکستان کی سرحد کو عبور کرتی ہے۔ یوپی کے ایک خانصاحب
 اپنی بیگم صاحبہ اور بچی کے ساتھ سیکرٹسڈ پریسیڈنٹ بائیت
 کر رہے ہیں۔
 بیگم۔ اے اللہ تیرا شکر! اے اللہ تیرا شکر!
 خانصاحب۔ ہم لوگ کتنے خوش نصیب ہیں کہ ایک اسلامی سلطنت
 میں قدم رکھ رہے ہیں۔

آے ارض پاک تیری حرمت پر کٹ مرے ہم
 بیگم۔ اب اگر میں یہاں پہنچے ہی مراؤں تو میری کوئی ایسی حیرت
 باقی نہیں جو زندگی کو روک رکھنا چاہے۔ یہ میرا آخری ایمان تھا۔
 انوری۔ اتنی! یہی پاکستان ہے؟ اس نرسے شروع ہوتا ہے؟
 بیگم۔ ہاں انوری یہ پاکستان ہے۔ یہاں کی ہوا میں سانس لیتے
 ہی کیا تباؤں۔ انوری طبیعت میں کیسی فرحت آ رہی ہے! —
 تم بھی تو خوشی محسوس کر رہی ہو۔

انوری۔ لیکن آبا یہ زمین، درخت، آسمان، سورج تو ویسے کے
 ویسے ہی ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں کیا فرق ہوا؟
 خانصاحب۔ اری انوری، تم تو احمق بانوی رہیں۔ پاکستان
 انوری۔ لیکن آبا یہ زمین، درخت، آسمان، سورج تو ویسے کے
 ویسے ہی ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں کیا فرق ہوا؟
 خانصاحب۔ اری انوری، تم تو احمق بانوی رہیں۔ پاکستان

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ السلام کی شان!

از روئے حدیث و قرآن
(مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری کی قلم سے)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت رحمتہ للعالمین و خاتم النبیین و شفیع المذنبین سید المرسلین و رسول رؤف و رحیم و صاحب مقام محمود حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور شان مبارک قرآن مجید کی آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ سے ذیل میں درج کرتا ہوں :-

عَبْدَ اللَّهِ

۱۔ وَلَئِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا السُّورَةَ مِنْ مِثْلِهِ (پارہ اول رکوع ۳)
۲۔ إِنْ كُنْتُمْ اٰمِنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَا اَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ - (پارہ دہم رکوع ۱)
۳۔ سُبْحَانَ الَّذِي اَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ كَيْدًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى (پارہ ۱۵ رکوع ۱)

۴۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِكَ الْكِتَابَ (سورة الکہف رکوع ۱)

۵۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا (پارہ ۲۴ رکوع ۱)

۶۔ فَاقْوَحِي اِلَىٰ عَبْدِكَ مَا اَوْحَىٰ (پارہ ۲۷ - سورة الخمر کا رکوع اول)

۷۔ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِكَ آيَاتٍ يَتَّبِعُ (پارہ ۲۷ - سورة حیدر)

۸۔ وَ اَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ (سورة الجن - پارہ ۲۹)

۹۔ وَ اَنبَايَ الَّذِي اَيْنَهُ عَبْدًا اِذَا صَلَّىٰ (پارہ ۳۰ - سورة علق)

نُورُ اللَّهِ

پارہ ششم - سورة المائدہ کے رکوع سوم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے - "قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ" (ترجمہ) اے لوگو! تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ایک نور اور کتاب کھلی کھلی آئی ہے۔

سراجاً مُنیراً

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذَانِهِ
وَسِرَاجًا مُنِيرًا (پارہ ۲۲ - سورۃ الاحزاب) اسے نبی تحقیق ہم نے بھیجا آپ کو گواہ (یعنی گواہی
میں والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے اس کی طرف بلانے
والا اور روشن چراغ :-

بشریت مبارک

۱۔ سورۃ الکہف - پارہ ۱۶ کے رکوع سوم میں :-
قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ (ترجمہ) آپ فرما
دیجئے کہ میں تمہاری مانند ایک بشر ہوں - میری طرف وحی کیا گیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے
رب، سورۃ بنی اسرائیل - پارہ ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (ترجمہ) آپ فرما دیجئے کہ میرا پروردگار
شریک سے پاک ہے - نہیں ہوں مگر ایک بشر و رسول -

۲۔ سورۃ الحجۃ - پارہ ۲۴ کے رکوع اول میں ہے :-
قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ (ترجمہ) آپ
فرما دیجئے کہ میں تمہاری طرح انسان ہوں - میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی
ہے۔ عن زید بن ارقم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فبينا خطيباً
بما بين مكة والحد ينة فحمد الله واثنى عليه ووعظ وذكر ثم قال
اما بعد الا ايها الناس انما انا بشر يو شاك ان يا تيني رسول ربى فاجيب
الحديث (ترجمہ) حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ مکہ شریف اور مدینہ طیبہ
کے درمیان ایک مقام نجم نامی پانی کی جگہ میں ایک روز کھڑے ہوئے پھر خدا کی تعریف
و ثناء فرمائی - پھر ارشاد فرمایا :-

اے لوگو! نہیں ہوں مگر ایک بشر - قریب ہے کہ میرے پاس میرے خدا کا بھیجا ہوا
آئے پس میں رب کے امر کو قبول کروں ۔

مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۸ باب مناقب ال بیت النبی اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۶۶۶ + مظاہر حق جلد ۴

ص ۲۱۸
مہ مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ باب السہو ص ۹۲ - اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۳۹۱ اور مظاہر حق جلد اول صفحہ ۷ پر ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الظہر خمساً فقیل لہ ازید فی الصلوٰۃ فقال وما ذلک قالوا صلیت خمساً فسجد سجدتین بعد ما سلم وفی روایۃ قال انما انا لبشر مثلكم الشئ کما تنسون فاذا نسیت فندکرونی واذا شک احدکم فی صلوٰۃ فلیتر الصواب فلیتیم علیہ ثم لیسلم ثم لیسجد سجدتین (متفق علیہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پانچ رکعتیں پڑھیں۔ پس آپ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا۔ کیا تاز میں زیادتی ہو گئی ہے۔ پس آپ نے ارشاد فرمایا اور یہ کیا بات ہے صحابہ نے عرض کیا۔ کہ حضور آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ پس آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کئے اور ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ سوائے اسکے نہیں کہ میں تمہاری مانند ایک انسان ہوں۔ بھولتا ہوں۔ جس طرح تم بھولتے ہو۔ پس میں جب بھول جاؤں۔ تو تم مجھے یاد کراؤ۔

(نزیر دیکھو صحیح مسلم - جلد اول ص ۲۱۳ و ص ۲۱۴ - کتاب الصلوٰۃ - باب السہو)

(س) مشکوٰۃ شریف (مطبع اصح المطابع دہلی) صفحہ ۵۶۰ - باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم + اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۹۸ - مظاہر حق جلد ۴ صفحہ ۵۶۹ پر ہے۔

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخسف لعلہ و یخیط ثوبہ و یعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ وقالت کان لبشر من البشر یغلی ثوبہ و یجلب شاتہ و یجند نفسه (سروا الترمذی) حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی (مبارک) کو کانٹھ لیتے (یعنی درست کرتے) اور اپنا کپڑا (مبارک) سی لیتے تھے اور آپ اپنے گھر میں کام کرتے۔ جیسے کہ تم میں سے کوئی ایک اپنے گھر میں کام کرتا ہے۔ اور حضرت عائشہ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ آپ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ آپ اپنے کپڑے (مبارک) میں

جوتیں دیکھتے تھے۔ اور آپ اپنی بکری کا دودھ دہتے تھے۔ اور اپنی ذات شریف کی خدمت کرتے تھے۔

سارے جہانوں کے لئے رحمت

سورة الانبياء - پارہ ۱۷ کے رکوع ۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ - اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت۔

نوٹ ۱۔ مشکوٰۃ شریف - باب فی اخلاقہ وسمائیکہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۱۹۔ اشعۃ اللمعات جلد ۴ مظاہر حق جلد ۴ ص ۵۲۲ و ص ۵۲۷ پر ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ قال قال یا رسول اللہ ادع علی المشرکین قال انی لعم ابعد لحنانا وانما بحثت رحمةً (رواہ مسلم) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ مشرکین پر (یعنی کافروں کے لئے) بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں لعنت کرنے والا نہیں بھیجا گیا ہوں اور نہیں بھیجا گیا ہوں۔ مگر اسے رحمت کے۔

نوٹ ۲۔ محدث طیبیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ یعنی میں بھیجا گیا ہوں۔ تاکہ لوگوں کو اللہ کے قریب اور اسکی رحمت کے قریب کروں۔ اور اس لئے نہیں بھیجا گیا۔ کہ اُن کو اس سے دُور کروں۔ پس لعنت کرنی میرے حال کے منافی ہے۔ پس میں کیونکر لعنت کروں۔ (مظاہر حق ص ۵۲۷ جلد ۴)

نوٹ ۳۔ مشکوٰۃ شریف - باب فی اخلاقہ وسمائیکہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۱۸۔ اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۵۲۲۔ مظاہر حق جلد ۴ صفحہ ۵۲۲ پر ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال انما انا رحمة مھداة۔ (رواہ الدارمی والبیہقی فی شعب الایمان) حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ نہیں ہوں مگر رحمت مھداة (ہدیہ فرستادہ شدہ)

نوٹ ۴۔ یعنی نہیں ہوں میں مگر رحمت عالمین کے لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے تمہارے لئے بھیجا ہے۔ بطریق تحفہ کے۔ پس جس نے قبول کیا۔ اسکا تحفہ وہ مطلب یاب ہوا اور جس نے قبول نہ کیا ناامید اور رفقان والا ہوا۔ اس حدیث کا مضمون اس آیت کے منطبق ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ اور اس میں تعظیم و تکریم اس امت کی بھی ہے۔ اس لئے کہ تحفہ تکریم ہی کے لئے بھیجا جاتا ہے (مظاہر حق جلد ۴ ص ۵۲۲)

خَاتَمُ النَّبِيِّينَ (آخِرِ نَبِی)

سورۃ الاحزاب - پارہ ۲۲ کے رکوع ۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے -

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا" (ترجمہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بالغ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور لیکن خدا کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

نوٹ - سنن ترمذی شریف ص ۳۶۹ باب ما جاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذا ابون - سنن البیہقی شریف جلد ۲ ص ۲۳۴ + مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن ص ۴۶۵ پر ہے۔

"عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقوم الساعة حتى تالحق قبائل من امتي بالمشرکین وحتى يعبد والاوثان وانه سيكون في امتي ثلاثون كذا ابون کلهم يزعمهم انه نبي وانا خاتم النبیین الانبي بعدی وهذا حدیث الصحیح) حضرت ثوبان صحابی سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - قیامت نہ قائم ہوگی - یہاں تک کہ میری امت میں سے بعض قبیلے مشرکوں کے ساتھ جا ملیں گے۔ اور بعض لوگ نبیوں کی پوجا کر نیگیں گے۔ اور عنقریب میری امت میں سے تیس جھوٹے ہونگے۔ ہر ایک ان میں سے گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

(زبور وکیعہ سند احمد جلد ۵ ص ۲۷۸ + اشعۃ المعانی جلد ۴ ص ۲۹۵ - مظاہر حق جلد ۴ ص ۳۶۹) رب، سنن ابن ماجہ شریف (مطبع فاروقی دہلی) کے صفحہ ۳۰۷ پر ایک طویل حدیث حضرت ابوالہدیٰ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آئی ہے۔ جس میں یہ الفاظ بھی ہیں "وَأَنَا الْآخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ الْآخِرُ الْأَصْنَمِ" میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔

(رج) صحیح مسلم شریف جلد اول کے ص ۴۷۶ + مسند احمد جلد ۵ ص ۲۵۳ + نسائی ح ۱۱۵۱ پر ہے۔

"يقول اباهدريّة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فاني آخر الانبياء وان مسجدنا آخر المساجد" حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں۔ اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔

۱۔ کتاب کنز العمال جلد ششم ۲۵۶ + منتخب کنز العمال جلد ۵ ص ۳۶۱ پر ہے۔
 "انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم مساجد الانبیاء واحق المساجد ان یزار
 ودعیه الیہ الرواحل مسجد الحرام ومسجدی وصلاة فی مسجدی افضل من
 الف صلوة فیما سواہ الا المسجد الحرام (الدیلمی وابن النجار عن عائشةؓ)
 (س) لغت عرب کی کتاب لسان العرب جلد ۱۵ ص ۵۵ + تاج العروس شرح قاموس جلد ۸ ص ۲۶۶۔
 مجمع البحار جلد اول صفحہ ۳۲۹ و ۳۳۰۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۲ ص ۳۱۱ تفسیر ابن کثیر جلد ۳
 ص ۲۹۳ + تفسیر کبیر جلد ۴۸۶ + تفسیر روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۲ تا ۳۹ + تفسیر ابی السحوط جلد ۲ ص ۲۱۳
 تفسیر خازن جلد ۶ ص ۲۱۵ تفسیر خازن جلد ۶ ص ۲۱۸ تفسیر صاوی علی المجملین جلد ۳ ص ۲۸۸ تفسیر
 بحر المحیط جلد ۷ ص ۲۸۶ + تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۲۰۴ + فتح المنان جلد ۶ ص ۷۹ + تفسیر احمدیہ ص ۵۰۹
 روح البیان جلد ۷ ص ۱۸۰ تا ۱۸۹ + تفسیر رونق جلد ۳ ص ۳۶ + تفسیر حسینی فارسی جلد ۲ ص ۱۶۲ تفسیر
 بیضاوی جلد ۲ ص ۱۸۲ + مدارس جلد ۲ ص ۱۱۵۔ تفسیر اکیل جلد ۶ ص ۳۱۔ معالم التنزیل جلد ۶ ص ۲۱۸
 قاموس مطبوعہ ۱۲۴۲ھ صفحہ ۷۵۴ + منتهی العرب جلد ۱ ص ۳۷ و ۴۹۵۔ مدارج النبوة (زبان فارسی)
 جلد ۱ صفحہ ۱ و ۲۶۷ و ۳۰۵ + منهاج النبوة اردو جلد اول صفحہ ۳ و ۲۲۲ و ۲۲۰ و ۲۰۹ + نظام شریف
 ص ۱۰۸ کا حاشیہ + ص ۱۱۳ + نسیم الریاض جلد ۲ ص ۲۱۷ و ۳۵۱ و ۳۸۸ + زرقانی شرح مواہب اللہ
 جلد ۱ ص ۳۷۳ و ۳۹۰ + جلد ۳ ص ۱۲۵ + زاد المعاد جلد اول ص ۷۷ و ۷۸ کے عمیق مطالعہ سے معلوم
 ہوتا ہے کہ خاتم النبیین سے مراد آپ کا آخری نبی ہونا ہے۔

رسول اللہ

۱۔ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (پ)
 (سورۃ الفتح) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں۔ وہ
 کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔
 ۲۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (پارہ ۴۔ سورۃ آل عمران) اور میں
 ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر خدا کا پیغمبر۔ آپ سے پہلے پیغمبر ہی ہوتے رہے ہیں۔
 ۳۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (سورۃ الاعراف) پارہ ۹) آپ فرما دیجئے
 کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں۔

۱۲، يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (ترجمہ) اے رسول! جو آپ کے پاس پروردگار کی طرف سے آپ کی طرف اتارا گیا ہے۔ اُس کو پہنچا دیجئے۔

نبی اللہ

۱۱، الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ (سورۃ الاعراف ۶) وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں پیغمبر نبی اُن پُرھ کی جس کو وہ اپنے پاس توہرات شریف اور انجیل شریف میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔
وَلَهُمْ فَأَمْنٌ بِاللَّهِ وَسُرُورٌ إِلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ (پارہ ۹ - سورۃ الاعراف) پس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نبی اُن پُرھ کے ساتھ۔

۱۳، يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ دَرَجَاتُ (پارہ ۲۱ رکوع آخری - سورۃ الاحزاب) اے میرے نبی! اپنی بیویوں کو فرما دیجئے۔

مزل و مڈثر

۱۱، يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ الْأَقْلِيلَ (پارہ ۲۹) اے کپڑا اوڑھنے والے لات کے وقت قیام فرمائے مگر تھوڑا۔

۱۲، يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (پارہ ۲۹) اے کپڑا اوڑھنے والے ٹھہراؤ لوگ! دُرا اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔

بشیر اور نذیر

سورۃ البقرۃ - پارہ اول کے رکوع ۳۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّا ارْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا = تحقیق ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر (خوش خبری سنانے والا) اور نذیر (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا ہے۔

لیس

لَيْسَ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلَا صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (ترجمہ) لیس - قسم ہے قرآن حکیم کی - بیشک آپ اللہ کے بھیجے ہوئے میں سے سیدے رستہ پر ہیں۔

طہ

طہ مَا أُنْزِلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ إِلَّا تَذَكُّرًا لِّمَن يَخْشَىٰ (ترجمہ) ہم نے آپ پر قرآن شریف اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ قرآن مجید خدا سے ڈرنے والے کے لئے نصیحت ہے۔

صاحب مقام محمود

عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامٌ مَّحْمُودًا۔ قریب ہے کہ آپ کا پاک پروردگار آپ کو مقام محمود پر اٹھائے۔

نوٹ: تفسیر ابن کثیر (مطبعہ ۱۳۵۶ھ چھاپہ مصری) جلد تیسری کے صفحہ ۵۸ پر ہے۔
وقال ابن جریر حدثنا أبو کریب حدثنا وکیع عن داؤد بن یزید الزعا فوری عن ابیہ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رعی ان یبعثک ربک مقام محمودا، سئل عنها فقال ہی الشفاعۃ۔
رواہ الامام احمد عن وکیع عن محمد بن عبید عن داؤد عن ابیہ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ (عسى ان یبعثک ربک مقام محمودا) قال هو المقام الذی اشفع لامتی فیہ (خلاصہ ترجمہ) محدث ابن جریر اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقام محمود وہ مقام ہے جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔

سُرخ نشان ○
دائرہ میں سُرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کار سالہ بذریعہ دی۔ پی ارسال ہوگا۔ جس کے زائد اخراجات سوچنے کیلئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ سنی آرڈر بھیجیں جس پر باری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدا را دی۔ پی واپس فرما کر ایک اسلامی ادارے کو ناسخ نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و سنا بت کرتے وقت خریداری منبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(غلام حسین مینجر شمس الاسلام)

ایرانی سفیر دربارِ رسول میں

(گزشتہ سے پیوستہ)

سفیر آپ کی اس تمام گفتگو سے کیا مراد ہے۔ کیا آپ کا مذہب یہ چاہتا ہے کہ اس کے تمام پیرو دولت سے نفرت کرنے لگیں اور ہمیشہ عسرت و ناداری کی زندگی بسر کرنا پسند کریں۔

صحابی۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میری تقریر کا بہت ہی غلط نتیجہ نکالا۔ ہمارا مذہب ہرگز ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی پیرو تکلیف اور مصیبت کی زندگی بسر کرے۔ اسی لئے تو اس نے یہ انتظام کیا ہے کہ دولت صرف چند گھروں تک محدود نہ رہے۔ بلکہ تمام قوم کے لئے یکساں طریق پر عام ہو تاکہ دس فیصدی کے لئے راحت اور نوے فیصدی کے لئے کلفت و عسرت کی صورت حال رونما نہ ہونے پائے۔ ہمارا مذہب تو صرف یہ چاہتا ہے کہ ہم دولت پیدا کر کے اس زمین میں دفن کر کے نہ رکھیں بلکہ اسے اپنی اور اپنے ابنائے قوم کی ضرورتوں پر خرچ کر کے اس سے لطف اٹھائیں ہمارا مذہب یہ بھی چاہتا ہے کہ ہم اتنے خود غرض اور نفس پرست نہ بنیں کہ اپنے بھائیوں کو لوٹ لوٹ کر اپنی جیبیں بھریں اور اپنے بچوں کے کھیل کود اور تفریحی مشغل پر بے دریغ دولت لٹاتے رہیں۔ درحالیکہ ہمارے پڑوسی کے بچے دودو وقت کے خاتے سے پڑے ہوں۔ ہمارا مذہب یہ بھی چاہتا ہے کہ ہم اپنی گوری جماعت کو ایک بڑا کنبہ تصور کر کے اس کنبے کے انتظامات چند ڈرے پڑھوں یا چند عقلمند اور صاحبِ لیاقت افراد کے ہاتھ میں دے دیں اور یہ عقلمند اور تجربہ کار لوگ قوم کے افراد کی پیدائی ہوئی دولت کو اس طرح تقسیم کیا کریں۔ کہ کنبہ کا کوئی فرد نہ لگا بھوکا اور کنبہ کا کوئی بچہ نہ تعلیم یافتہ نہ رہنے پائے۔ شاید میں نے ابھی آپ سے اس کا ذکر نہیں کیا کہ ہمارے یہاں اسی غرض سے ایک بیت المال قائم ہے۔ جسے قوم یا ملک کا خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ اور اس بیت المال سے ہم اپنی قوم کے یتیموں اور بیواؤں کو وقفے دیتے ہیں جہاد پر جانے والے سپاہیوں کے بیوی بچوں کو گزارہ کے لئے مثلاً ہوسے دیتے ہیں بیرونی حملوں سے مدافعت کی خاطر سامان جنگ مہیا کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ تمام ایسے کام کرتے ہیں کہ جن کا مقصد قوم کی رفاه اور بہبود ہو۔

سفیر۔ معاف کیجئے۔ ابھی میرا اطمینان نہیں ہوا ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جب ہر حالت اور ہر صورت میں آپ کو جاؤ اور اسے جمع نہ ہونے دو۔ تو پھر آپ یہ امید کیسے کر سکتے ہیں کہ آپ کی قوم کسی وقت میں بھی دولت مند ہو سکیگی۔

صحابی۔ مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک آپ کے ذہن سے یہ غلط تصور نہیں نکلا ہے کہ قوم کی دولت مندی اس کا

نام ہے۔ کہ قوم میں چند افراد قارون زمانہ بن جائیں۔ ابھی آنے اس بات پر اچھی طرح غور نہیں کیا کہ وہ قوم در حقیقت دولت مند کھلائے جانے کی مستحق نہیں ہے کہ جس میں نوے فیصدی افراد غفلت اور نادار ہوں۔ اور ان نوے فیصدی میں سے بیشتر تعداد ایسی ہو کہ جسے پیٹ بھر روٹی بھی میسر نہ آتی ہو۔ بلکہ دولت مند اس قوم کو کہا جائیگا جس میں خواہ ایسا ایک فرد بھی نہ ہو کہ جس کا گھر سونے چاندی کے انباروں سے ٹپا پڑا ہو۔ لیکن ہر سو میں سے سو کے سوا ایسے ہوں کہ جنہیں اپنی تمام ضروریات برآسانی مل جاتی ہوں۔ اور کبھی فقر و فاقہ سے واسطہ نہ پڑتا ہو۔ اسلام نے ہمیں اللہ کے خزانوں میں سے دولت نکالنے سے ہرگز نہیں روکا ہے۔ بلکہ جس حد سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ وہ اپنے بھائیوں کی جیبوں میں سے دولت نکال کر اپنی جیب میں بھر لینا ہے۔ ہمیں اس بات کی کال آزادی حاصل ہے کہ ہم جس قدر چاہیں۔ مال و دولت زمین سے نکال لیں لیکن یہ اجازت نہیں ہے۔ کہ اس برآمد کردہ دولت کو صرف اپنے خزانوں میں بند کر کے اپنے اباؤں سے قوم کو اس کے فوائد سے محروم کر دیں۔ ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی دولت کو خوب دل کھول کر اپنی ضرورتوں پر صرف کر لیں۔ لیکن اپنی ضرورتیں پوری کر لینے کے بعد جو کچھ بچے اُسے دفن کر کے رکھنا ہمارے لئے ممنوع ہے اور اگر آپ اس مسئلہ پر ایک غائر نظر ڈالیں گے تو آپ کی سمجھ میں خود ہی آ سکتا ہے۔ کہ اپنے زر پرستی کے ذوق کی تسکین کے سوا اور ہمیں ضرورت بھی کیا ہے۔ کہ ہم خواہ مخواہ مکانوں کے کونے کھود کھود کر ان میں سونا چاندی دفن کرتے پھریں جس دولت کو زمین کے اندر سے نکالا گیا تھا۔ اُسے پھر زمین ہی کے اندر پہنچا دینا آخر کہاں کی عقلمندی ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ یہی سلوک کرنا تھا۔ اور اس سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھانا تھا تو آخر اسے نکالا ہی کیوں تھا۔ اور بلکہ میسے خیال میں تو ایسی دولت کو جو چند وقفوں میں منقل یا خزانوں میں مدفون ہو۔ دولت کہا بھی کیسے جا سکتا ہے۔ دولت کی قدر و قیمت تو اسی وقت معلوم ہوتی ہے اور اسے دولت صرف اسی حالت میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ جب اس کے بدلے میں ہم اپنے لئے کچھ آسائشیں خریدیں۔ ورنہ بول بیکار پڑے رہنے کے لئے تو خود آپ ہی کے ایک شاعر نے کہا ہے کہ سچے برائے نہاد نہ چھٹنگ و چہ زر

کنکر بیتقر اور زرو جاہر میں فرق ہی کیا ہے۔ پتھر بھر کر بھی صندوقوں کو کافی وزنی کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں باریتالی کی درگاہ سے حکم ملا ہے کہ کلاوا و لا تشرعوا یعنی تم کھاؤ پیو اور دولت کو بیجا صرف نہ کرو۔ ہم اگر دولت کو بند کر کے کہیں ڈال دیتے ہیں۔ تو یہ بھی اس کا بیجا صرف ہے۔ کیونکہ اس طرح پڑے پڑے وہ نہ ہمیں فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ کسی اور کو۔ ہم اپنے گھروں میں بالعموم ایسا کرتے ہیں کہ گھر کے جوان اور نوجوان مرد کم کم کر دولت لاتے ہیں۔ اور ہر شخص اپنی کمائی گھر کے دو ایک بڑے بوڑھوں کے سپرد کر دیتا ہے اور یہ بڑے بوڑھے اپنے تجربے اپنی عقل اور اپنی قابلیت سے ایسا انتظام کرتے ہیں کہ سارے گھر کو آرام و آسائش کے ساتھ کھانا کپڑا اور دوسری ضروریات پر برابر ملتی رہتی ہیں۔ نوجوان کے شادی بیاہ بھی ہوتے ہیں۔ مریضوں کو وقت پر دوا بھی ملتی ہے۔ اور بچوں کے لئے ان کی تعلیم کی ضروریات بھی مہیا ہوتی رہتی ہیں۔ فرض کریجئے کہ گھروں میں اوسطاً آٹھ یا دس آدمی ہوتے ہیں تو جو انتظام

کہ آٹھ یا دس آدمیوں کیلئے ہو سکتا ہے۔ کیا وہی انتظام آٹھ سو یا آٹھ ہزار یا آٹھ لاکھ یا آٹھ کروڑ افراد کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اگر گھروں کے اندر ایسا ہوتا ہے۔ کہ اپنی ساری کمائی بڑے بڑے گھروں کے کاتھ میں ڈے دینے کے بعد یہیں اپنی ضرورتوں کی طرف سے بیفکری ہو جاتی ہے۔ اور اپنے پاس کچھ زرو مال رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تو آٹھ لاکھ یا آٹھ کروڑ کے کٹنے میں کیوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ کمانے والے کم کر لائیں۔ اور انتظام کرنے والے پورے کٹنے کی تمام ضرورتوں کو بالکل یکساں طور پر پورا کرتے رہیں۔ اور اس طرح پوری قوم میں ایک فرد واحد ایسا نہ بچل سکے۔ کہ جو روٹیوں کو محتاج ہو اور ایک بچہ بھی ایسا دستیاب نہ ہو سکے۔ کہ جو زیر علم سے آراستہ نہ ہو۔ اور اسی کیساتھ یہ دل خوشکن صورت حالات بھی خود بخود قائم ہو جاتی ہے۔ کہ قوم کے کسی فرد کو دوسرے افراد سے زیادہ آسانیاں اور عیش حاصل نہیں ہوتے۔ کہ جنہیں دیکھ کر دوسروں کے دلیں حسد یا سر جائیزہ دنا جائیزہ طریقے پر انہیں حائل کرنے کی تمنا پیدا ہو۔

جب آپ کا بادشاہ اور آپ تقریباً ایک ہی زندگی بسر کرتے ہوں۔ اور جب آپ اپنے بادشاہ کو اپنا آقا نہیں بلکہ قوم کا خادم یا گھر کا منتظم تصور کرتے ہوں۔ تو آپ خود ہی خیال فرمائیے کہ آپ کو اس کی حیثیت و حالت پر کیوں رشک آئیگا۔ اور کیوں یہ خیال آپ کے دل کو ستائیگا کہ اگر آٹھ کروڑ افراد قوم پر حاکم اور ان کی جان و مال کا مالک بن جانا ممکن نہیں ہے۔ تو کم سے کم آٹھ ہزار یا آٹھ سو آدمیوں پر تو ہم بھی حکومت کرنے لگیں اس صورت میں اگر کوئی خیال دلیں پیدا ہو سکتا ہے تو صرف یہی کہ اس شخص نے قوم کی اس قدر خدمت کی کہ بالآخر قوم نے اسے اپنا سر تسلیم کر لیا ہم بھی اگر قوم کی ایسی ہی خدمت کریں تو یہ موقع ہمیں بھی مل سکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دولت کی مساویانہ تقسیم کی صورت میں شاہی درباروں اور اُمراء و وزراء کے محلات کی یہ ظاہری چمک دمک اور یہ تمام چمک بھمک باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ وہ کروڑ و کروڑ درہم اور دنیا جواں فضول آرائشوں اور ظاہری طمطراق پر برباد کئے جاتے ہیں۔ وہ قوم کی حقیقی ضرورتوں پر صرف ہوا کر نیگے۔ لیکن آپ خود ہی اضافہ کیجئے۔ کہ وہ شہر زیادہ خوبصورت معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ جس میں دس تو بڑے بڑے عالیشان محل کھڑے ہوں۔ اور باقی نوے کھجور کے تنوں کے جھونپڑے ہوں۔ یا وہ کہ جس میں سو کے سو مکان یکساں آرام و صاف ستھرے اور صحت بخش بنے ہوئے ہوں۔ لیکن کہیں قصر شاہی نظر نہ آتا ہو۔

اگر یہ تمام باتیں جو میں نے عرض کی ہیں۔ آپ کے خیال میں صحیح اور درست ہیں۔ تو اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا بنی نوع انسان کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح راستہ دکھانے کے متعلق کسی اور مذہب نے اتنی خدمت کی ہے اور کیا بڑے سے بڑے حکماء اور عفتاء اس سے بہتر کوئی صورت امن عامہ پیدا کرنے کی دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

اسلام نے دنیا کے سامنے ایک نظام کار اور ایک طریق عمل پیش کیا ہے۔ اور یہ طریق عمل بالکل وہی ہے جو

ماورط نے ہر انسان کو سکھایا ہے۔ اس میں نہ کوئی تصنع ہے اور نہ تکلف بلکہ سیدھی سچی اور فطرتی تہذیب ہے۔ جس پر عمل کر کے ہم جنگ و خونریزی کا ہڈی کیلے سدباب کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ اس موضوع پر اپنی گفتگو ختم کرنے سے پیشتر ایک چھوٹی سی مثال اور بھی دیدوں۔ اس وقت ہم اندازاً کوئی پچاس آدمی یہاں بیٹھے ہیں۔ فرض کیجئے کوئی صاحب مہمت شخص آئے اور ہم سب کی دعوت کر جائے۔ ہم کھانا کھانے کے لئے جب اس کے مکان پر پہنچیں تو دیکھیں کہ انار و افستام کے لذیذ اور نفیس کھانے بائسراط و دسترخوان پر پٹے ہوئے ہیں۔ خوش ذائقہ اور مفرح شربت کی صراحیاں بھری رکھی ہیں اور میزبان کی طرف سے عام اجازت ہے کہ جو جس طرح چاہے اور جتنا چاہے کھائے۔ اب آپ کا طرز عمل اس موقع پر کیا ہوگا؟ کیا آپ حلدی حلدی دوسروں کے آگے سے کھانے اور چل اٹھا کر اپنی جیب میں بھرتا شروع کر دینگے؟ اگر نہیں تو پھر اس کے بچھاٹے ہوئے دسترخوان پر آپ کا یہ طرزیوں ہے اور بھیں آپ اسے بد تہذیبی خیال نہیں کرتے۔ کہ دوسروں کے آگے سے اٹھا اٹھا کر اپنی جیبیں بھریں اگر انسانی میزبان کے دسترخوان پر تہذیب کا مقتضایہ ہے کہ ہم دوسروں کے حصہ پر ہاتھ نہ ڈالیں بلکہ اپنے چاقو سے پھل و غنہ چھین کر دوسروں کو دیں تو پھر خدائی دسترخوان پر یہ تہذیب کہاں چلی جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ تہذیب کا صحیح مفہوم ہی نہیں سمجھتے ہیں اور انتہائی بد تہذیبی کو آپ نے تہذیب سمجھ لیا ہے۔ تہذیب یہی ہے کہ ایسے موقع پر کچھ لوگ بچھوں کو چیل کر ان کی قابضیں تمام مہمانوں کو تقسیم کر دیں اور کچھ لوگ صراحیوں سے شربت ساغروں میں انڈلی انڈلی کر سب کو پلائیں اور اس طرح شربت پلانے والوں کو چھلے چھلائے پھل مل جائیں اور پھل تراشنے والوں کو بھیرے بھیرے شربت کے جام اسلام اسی شہم کی تہذیب کا نام ہے اور مجھے امید ہے کہ اب آپ اس تہذیب کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔

سعیگر میں اب خوب اچھی طرح سمجھ گیا۔ اور مجھے الفاظ نہیں ملتے کہ آپ کا شکریہ ادا کروں۔
صحافی۔ میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ آپ کی یہی ہر بات بہت کافی ہے۔ کہ آپ نہایت توجہ اور صبر کیا تھ میری گزارش کو سن رہے ہیں۔ اب میں آپ کو یہ تو بتا چکا کہ سودا ورجوئے کو حرام اور بعض اقسام تجارت کو ناجائز قرار دیکر اسلام نے ایک سب سے بڑی بنا و فساد کو دوا کر دیا ہے۔ اب میں دوسری بناء و فساد یعنی ابنائے عیس کے ساتھ غیر مسابیانہ سلوک کے متعلق اسلام کے طریق کار کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ میری اس عرض کو بھی اس توجہ سے سنیں گے۔

ابنائے عیس کے ساتھ غیر مسابیانہ سلوک کی بہت سی مثالیں دنیا میں دیکھنے میں آتی ہیں! اور اس حقیقت کو کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دولت کی غلط تقسیم کے بعد اللہ کی زمین پر سب سے زیادہ فساد اسی سبب سے برپا ہو کر رہا ہے۔ اس بنا پر فساد کی سب سے بڑی اور سب سے مکمل سہی مثال جو ہر قوم اور ہر ملک میں دیکھنے کو ملتی ہے وہ غلط طبقہ

حکومت ہے بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ سر سے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ میں شاید ایک سے زیادہ مرتبہ یہ عرض کر چکا ہوں کہ خاندانوں کے یا قبیلوں کے انتظام کا جو طریقہ فطرت نے سکھایا تھا۔ وہ یہ ہے کہ گھوکے یا قبیلے کے تمام غافل و بالغ مرد صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ پورے کنبے یا قبیلے کے لئے کام کریں۔ اور ان کی مشترکہ اور متفقہ محنت سے قبیلے کے لئے زیادہ سے زیادہ آرام اور آسائش کچھ مساوی سب پر تقسیم ہو جائے۔ تقسیم کا کام قبیلے کے چند عقلمند اور تجربہ کار لوگوں کے ہاتھ میں ہو اور قبیلہ ہی میں سے ایک ایسا شخص سرداری کے لئے منتخب کر لیا جائے کہ جس پر تمام قبیلے کو اعتماد ہو اور جس کی عقلمندی، شجاعت، مہمردی اور حب وطن کے مختلف موقعوں پر اس قدر ظاہر ہو چکی ہو کہ اس کا ذکر قبیلے کے بچے بچے کی زبان پر ہو۔ سارا قبیلہ اس کے نام کا عاشق ہو اور بڑے جوان سب اس کے ادنیٰ احکام کی بجا آوری اپنی فرض خیال کریں اور ان کی اس محبت، اطاعت اور وفائشاری کا جواب سردار قبیلہ کی طرف سے یہ ملے کہ وہ ہر فرد قوم سے محبت کرنے، ہر فرد کے ساتھ انتہاء سے زیادہ انصاف برتے اور ہر ضرورت کے موقع پر اپنے قبیلے کی خاطر اپنی جان دے دینے کے لئے تیار رہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے سلوک کا نام صحیح طور پر حکومت نہیں رکھا جاسکتا۔ اسے یا تو خدمت کہہ سکتے ہیں یا نظم و نسق حکومت کے مفہوم میں استبداد اور شخصی خود مختاری کی بواقی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اسلام نے اسی بنا پر ہمارے حکمران کیلئے امیر یا اولی الامر کا لقب پسند کیا ہو۔

بہر حال یہ لفظ ہمیں پسند آئے یا نہ پسند آئے یہ واقعہ ہے کہ آج دنیا کی تمام قومیں اپنے فطری مساک اور زندہ سے ہٹ گئی ہیں اور ہر ملک میں سرشاران قبیلہ یا امیران جماعت نے آہستہ آہستہ خادم قوم کی بجائے مخدوم قوم کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اور اب یہ دستور عام ہو گیا ہے کہ تین تہا ایک فرد واحد بلا کسی استحقاق کے لاکھوں اور کروڑوں افراد قوم کا آقا اور مالک بن کر بیٹھ جاتا ہے، صرف اپنے حکم سے جیسے چاہتا ہے بے خدادادے قصور و مالک کر دیتا ہے۔ مالک کا قانون صرف اس ایک شخص کی مرضی کا نام ہوتا ہے۔ کہ جو ب اوقات نہ عادل ہوتا ہے نہ ایماندار اور نہ عاقل ہوتا ہے۔ نہ نیکو کار اپنے آقا سے ولی نعمت اور اپنے خداوند کے ظلم و جور کو دیکھ دیکھ کر سلطنت کے تمام اعمال بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور ایک ستم رسیدہ اور جفا دیدہ شخص کے لئے کوئی دروازہ اب باقی نہیں رہتا۔ کہ جسے وہ کھٹ کھٹائے اور جہاں اس کی فریاد سن لی جائے۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تھوڑے سے ایسے لوگ کہ جن کی اس مستبد فرمانروا کو ضرورت ہوتی ہے۔ اور جو اس کے ظلم و ستم میں ہمہ وقت اس کے عین مددگار رہتے ہیں۔ یا کچھ ایسے لوگ کہ جو اپنی چالاک اور فریب کاری کے ذریعہ سے شہی خوشنودی فزاج حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ تو اچھے بنے رہتے ہیں اور ان کا ہر عیب صواب میں داخل ہو جاتا ہے اور باقی تمام افراد قوم کی جان عزت و آبرو جان و مال غرضیکہ کوئی چیز ان خود ساختہ خداؤں کے ہاتھ سے محفوظ نہیں رہتی۔ خود مختار شخصی سلطنتوں کے

مظالم سے یقینی طور پر آپ مجھ سے بہت زیادہ واقف ہوں گے۔ اور میں کامل وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اپنے گھر سے جب آپ اس سفارت کے لئے روانہ ہوئے ہونگے۔ تو ایک مرتبہ جو اندیشہ ضرور دلیں پیدا ہوا ہوگا کہ خدا جانے واپس آنے پر یہ گھر اسی طرح صحیح و سالم ملیگا۔ یا کسی مقرب سبطانی کی عداوت اور قابو پرستی کی بدولت عمارت مسمار و نہدم ہو چکی ہوگی۔ اور اس زمین پر گدہوں کا ہل چلا دیا گیا ہوگا۔ شاہی درباروں اور شاہی وظیفہ خواروں کے حالات سے کامل واقفیت ہونے کی بنا پر آپ اس ناخوشگوار اور منہ دانگینہ صورت حال سے بھی پورے طور پر آگاہ ہیں جو اس قابلِ نفرت طرزِ حکومت نے رونما کر دی ہے۔ اس لئے میں اس کی تفصیل اور تشریح ضروری نہیں خیال کرتا۔ صرف یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اینٹے جنس کے درمیان یہ غیر مساویانہ سلوک کہ جس کی بدولت ایک مختصر طبقہ حاکم کو فرمانروا بن جائے۔ اور دوسرا محکوم اور غلام کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آئے دن ستم رسیدہ رعایا کی جانب سے اس ستم کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں۔ کہ حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے اور رعایا بڑی خوشی سے ہر ایسے شخص کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ کہ جو اس ظالم فرمانروا کے ہاتھ سے زمامِ سلطنت چھیننے کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ اگرچہ بسا اوقات یہ نیا حملہ آور اس پرانے حکمرانوں سے بھی برا ہی ثابت ہوتا ہے اور یہ نسلِ صادق آجاتی ہے۔ کہ آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا۔

تاریخ کے نہراں ہاں بلکہ لاکھوں ورق انہی خود مختار شخصوں کے فرمانروائی کے مظالم اور ان کے خوفی کارناموں کی دستاویزی سے بھرے پڑے ہیں۔ اور نسلِ انسانی کی ذہنیت آج اس قدر تبدیل ہو چکی ہے کہ اس ستم کی سیاہ کاریوں کا ذکر بے فخر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ظالم حملہ آوروں کے خلاف اگر مظلوموں کی تلواریں اٹھیں تو وہ جائز بھی ہے اور قابلِ فخر بھی۔ لیکن خدا کے لئے ذرا انصاف کیجئے کہ کیس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ کہ آپ بے وجہ و سبب محض اپنی ملک گیری اور توسیعِ سلطنت کی ہوس پوری کرنے کیلئے اپنے اس پاس کے ملکوں میں بسنے والی ان تمام قوموں کو اپنا محکوم اور اپنا غلام بنالیں۔ جو بدقسمتی سے آپ کی بہ نسبت کسی قدر کمزور ہیں اور اللہ کی وہ زمین کہ جس پر وہ پیدا ہوئے تھے۔ اور جس سے نفع اٹھانا ان کا جائز حق تھا۔ ان سے چھین کر اپنی ملکیت میں داخل کر لیں۔ یہ آپ کی کیسی عجیب و غریب تہذیب ہے۔ کہ آپ ان لوگوں کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اور ان قوموں کو بھی مٹانے کے ورے رہتے ہیں کہ جو آپ ہی کی طرح مہذب ہیں۔ ایران اور یونان کی باہمی آویزشیں تمام دنیا کو معلوم ہیں۔ حالانکہ جہاں تک تہذیب کا تعلق ہے یہ دونوں ملک ایک ہی سی تہذیب کے پرستار تھے۔ دونوں ملکوں میں شخصی حکومت کا طریقہ رائج تھا۔ اور دونوں ملک اپنے آپ کو علم اخلاق اور تہذیب میں ساری دنیا سے بہتر خیال کرتے تھے۔ لیکن آپ کی تہذیب سے یہ شکایت کہ وہ دوسری قوموں سے کیوں دست و گریباں ہے بالکل فضول ہے۔ کیونکہ یہ تہذیب تو خود اپنے اہل ملک کے گلے کاٹنے کو بھی برا نہیں خیال کرتی۔

میرا مقصد اس وقت مختلف تہذیبوں کی برائیاں گننا نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ جو تہذیب اس بات کی اجازت دے کہ ہم اپنے ابنائے جنس کیساتھ نابرابری کا سلوک اس کے پابند بنکر ہم کشت و خون اور ظلم و ستم کے سوا اور کچھ نہیں سیکھ سکتے اور دنیا آج زیادہ تر اسی لئے سرکڑ کا زربنی ہوئی ہے۔ کہ ایرانی و تورانی ماوراء چین و ہندوستانی کا فرق انہیں آپس میں میل جول رکھنے سے روکتا ہے۔ آپ نے اپنے بادشاہوں کو غیر مساویانہ درجہ اختیارات اور طاقت دیکر انہیں اس بات کا موقع دے دیا ہے۔ کہ اب وہ جو چاہتے ہیں کہ گزرتے ہیں اور ایک مرتبہ اختیارات اور طاقت حاصل ہونے کے بعد اب انہوں نے خود اپنی کوششوں اور تدبیروں سے ایسی حالت پیدا کر لی ہے۔ کہ اب اگر آپ چاہیں تو ان سے ان اختیارات واپس نہیں لے سکتے۔ انہوں نے آپ کے دئے ہوئے مل و زر سے نیکے اور بیکار لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت پال لی ہے۔ جو اپنے پیٹ کی خاطر ان کے تمام احکام بجالاتی ہے اور ذرا سے اشارہ پر ہر جماعت اور ہر قوم سے آمادہ پیکار ہو جاتی ہے ان شاہی پروردوں اور نمک خواروں کا نام فوج رکھ دیا گیا ہے۔ اور قوم کے سامنے ان کی ضرورت بیبتائی جاتی ہے۔ کہ وہ حملہ کے وقت دشمنوں سے ملک کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر انھیں اس طرح پالنے اور بٹھا بٹھا کر کھلانے کا یہی مقصد ہوتا۔ تب بھی صبر آ جاتا۔ لیکن نے الحقیقت انہیں صرف اس لئے پالا جاتا ہے کہ ان کے خون سے تمام ملک میں کسی کو حضور جہاں پناہ کے کسی حکم سے گردن تابانی کی ہمت نہ پڑ سکے۔ اور اگر کبھی کسی غیور اور خوددار شخص کو سرکشی کا خیال آئے۔ تو یہ نیکوں کی جماعت اچھی طرح اس کی سرکوبی کرے۔

پاکستان اسلامی مملکتوں میں سب سے بڑی مملکت

مشرقی پاکستان

رقبہ - ۵۶۰۰۰ مربع میل

آبادی - ۳ کروڑ ۶ لاکھ

پیداوار - پٹن، چائے، تنباکو - لاکھ - چاول

معدنیات - کوئلہ - پٹرولیم وغیرہ

صنعت - پارچہ بانی (دوتی) ریشم - صابن سازی

منطقہ - صرف مشرقی بنگال اور تقسیم شدہ سلہٹ

رقبہ - ایک لاکھ، چالیس مربع میل

آبادی - دو کروڑ

پیداوار - گندم، روئی، روغن، بیج، نیشکر

معدنیات - کوئلہ، پٹرولیم - نمک

صنعتیں - دلی دھننے کے کارخانے۔ پارچہ بانی، چمڑہ سازی، قالین

منطقہ - مغربی پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان

دولتِ خدا وادِ پاکستان

موجودہ ابتلا و آزمائش

(انحصاراً مولانا طغیانی)

طریقِ عدلِ ہندو کی حکومت کے بھی نیاے ہیں
ہوئی ہیں مسجدیں ویراں سلامت گردوارے ہیں

خدا ثابت قدم رکھے ہمیں اس آزمائش میں
اُدھر ہیں گولیاں اُن کی اُدھر سینے ہمارے ہیں

نئی تہذیب کی مشعل کے گل ہونیکا وقت آیا
زمین پر ٹوٹ کر گرنے کو گروں کے ستارے ہیں

تباہی آئے گی سکھوں پر اور اُنکے حلیفوں پر
فرشتے کر رہے کچھ دن سے اُپس ہیں اشارے ہیں

نہ پھیران سے خدایا گوشہٴ چشمِ کرم اپنا
مسلمان جی رہے تیرنی ہی رحمت کے سہارے ہیں

خدا مَنہ چوم لیتا ہے محبت سے شہیدوں کا
وہی اللہ کا پیارا ہے جس کے کام پیاے ہیں

خدا نے مرحمت کی ہم کو پاکستان کی دولت

بہت دن ہم نے غریبوں کی غلامی میں گزار دی ہے
وہ شکرِ تیرینہ دار